ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

''گُرگِ شب''سماجی ونفسیاتی پس منظر میں

*Dr. Rehana Kausar, **Dr. Shaista Hameed Khan

ABSTRACT

The novel of Gurg-e-shab by Ikram Ullah evolved as an important writing. This is the story of a disturbed and confused person and who came in this novel with the relation of incest. This novel presents a severe criticism or censure on the collective de meaner of our society which adds fuel to fire instead of healing the wounds. This novel portrays the real picture of our society in which such incidents are occurring day and night and we all are observing inactively. In this article a critical analysis bearing socio-psychological study is presented.

Keywords: *Novel, Gurg-e-shab, Ikram Ullah, Incest, socio-psychological.*

اکرام اللہ کا ناول ''گرگِ شب'' نصف صدی قبل جنرل ضیاء الحق کے دور میں لکھا گیا مگر مختلف وجوہات اور تنازعات کے باعث اسے کڑی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا۔ناول کا موضوع ناجائز اولاد کا تصور ہے۔یہ ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جو "Incest" کے رشتے سے اس دنیا میں آیا ہے اور نفسیاتی مسائل کے ساتھ ساتھ ناسٹلجیا کا بھی شکار ہے۔وہ اپنے خوابوں سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے جو ماضی کے واقعات پر مبنی ہیں یعنی ناسٹلجیا سے نکلنا چاہتا ہے۔اسی لیے اُس نے جوان ہو کر شہر میں جا کر اپنا نام شفیع سے بدل کر ظفر رکھ لیا۔محمد خالد اختر ''لفظ چند'' میں ناول کے تعارف میں لکھتے ہیں:

> ''گرگِ شب ایک ایسے اُلجھے ہوئے دراڑ پڑے شخص کی کہانی ہے جو ایک Inscest کے رشتے سے اس دنیا میں آیا ہے اور اب اپنی ذہنی گرہوں کی وجہ سے اپنی شرم اور نفسیاتی رکاوٹوں کی دیوار پھاند کر ایک عام اوسط آدمی کی ذہنی اور جسمانی زندگی کا حاصل کرنا اس کے لیے ناممکن ہو گیا ہے...''[1]

---

*Associate Professor, Lahore Collage for women University, Lahore.

**Assistant Professor, GC University, Lahore.

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

اپنے اس ذہنی کرب سے بچنے کے لیے وہ اپنی شخصیت تک بدل لیتا ہے مگر پھر بھی ناکام رہتا ہے اور پاگل خانے پہنچ جاتا ہے۔یہ ناول ایسے شخص کی روداد ہے جس کی زندگی میں اتنا زہر گھول دیا گیا ہے کہ اس کے لیے زندگی گزارنا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہو گیا ہے۔ناول کا مرکزی کردار "ظفر" بھی ایسی ہی مثال ہے جسے بچپن میں یہ باور کرا دیا جاتا ہے کہ وہ "حلالی نہیں بلکہ حرامی" ہے۔

بچپن میں جب کسی انسان کی تعریف یا حوصلہ افزائی کی جائے تو اس شخص کے اندر خود اعتمادی کی ایسی لہر پیدا ہوتی ہے جو اُسے مضبوط اور توانا شخص بنا دیتی ہے۔لیکن اگر بچپن میں ہی کسی کو ہر طرف سے طعنہ زنی کی جائے، کوسا جائے اور تضحیک کا نشانہ بنا کر مذاق اڑایا جائے تو یہ باتیں اُس کی شخصیت کو مسخ کرنے کے لیے کافی ہیں اور پھر تنقید بھی ایسے موضوع یا غلطی پر کی جائے جس میں اُس کی کوئی غلطی نہ ہو تو یہ زیادہ خطرناک صورتحال بن جاتی ہے۔مرکزی کردار ظفر کو اُس کی پیدائش کے حوالے سے نشانۂ تنقید بنا کر اُس کی ذات پر کیچڑ اُچھالا جاتا ہے۔یہ بات اُس کے لاشعور میں گھر کر کے ناسور کی شکل اختیار کر جاتی ہے جسے حالات و واقعات بار بار تازہ کر دیتے ہیں۔

ظفر کی سوتیلی ماں، اُس کے عزیز و اقارب اور محلے دار جب اُسے نشانۂ تنقید بناتے ہیں تو وہ اندر ہی اندر ٹوٹ جاتا ہے۔ظفر کی شکل اُس کی سوتیلی ماں سے ملتی ہے اور یہ بات بھی حیرانی کی ہے کہ ایک شخص کی شکل اُس کے ماں باپ پر جانے کی بجائے سوتیلی ماں پر کیسے جا سکتی ہے۔اِس بات کا عقدہ اُس دن کھلتا ہے جب ظفر کی ماں اُس کے سوتیلے بھائی کی بیوی سے جھگڑا کرتی ہے اور اسے اس بات کا طعنہ دیتی ہے کہ اس نے اس کا شوہر ہتھیا لیا ہے۔ناول میں ظفر کی بھابھی کے الفاظ ملاحظہ کریں:

> "ایک بات جو وہ اتنی دیر سے اشاروں میں ادا کرنے کی کوشش کر رہی تھی وہ سب بند توڑ کر بلا جھجک اس کے ہونٹوں پر آ گئی۔ اے بی بی ذرا اپنی چارپائی تلے ڈنڈا پھیر۔میری بہن تو میراثی کے ساتھ بھاگ گئی، تُو نے تو میرا خاوند مجھ سے چھینا ہوا ہے، سوتیلے بیٹے سے یارانہ لگایا ہوا ہے۔شرم ہے تو کہیں ڈوب مر، اسی کے بیج سے پیدا کر کے اس کے سامنے شریک کھڑا کر دیا ہے..." ۲

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

اس قسم کے طعنے اُسے اکثر و بیشتر اس کے اپنے دوستوں، اجنبیوں اور رشتہ داروں حتی کہ اس کی محبت کا دعوی کرنے والی حمیدہ سے سننے کو ملتے ہیں۔وہ کہتی ہے:

"حمیدہ نے میرا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر نہایت محبت، انکساری اور پیار سے کہا : 'شفیع! تم سے ایک بات پوچھوں برا تو نہیں مانو گے ؟'

میرے کان کھڑے ہوئے، میرے دل میں بیٹھے ہوئے چور نے پہلو بدلا۔

'تم کوئی بات پوچھو اور میں برا مانوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے ؟'، 'میری ماں کہتی تھی کہ...'، 'ہاں ہاں کہو! رک کیوں گئیں ؟'

'میری ماں کہتی تھی کہ تم بھائی غلام احمد کے بیٹے ہو۔' "[۳]

یہ بات سن کر اس کا وجود ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور اس کا خون منجمند ہو جاتا ہے۔اس کے حواس اس کے کنٹرول سے باہر ہو جاتے ہیں۔یہ سوال اسے وجود کی شکست و ریخت کی طرف لے جاتا ہے۔جب اس کے حرامی ہونے کی بات اس کے سامنے کی جاتی تو اس کا وجودی بحران مزید بڑھنے لگتا ہے۔ایسے ہی ایک لمحے نہر پر نہاتے ہوئے اس کا دوست اسے کہتا ہے:

"کل رسُولا میرے گھر آیا تھا، چھٹیوں کا کام لکھنے کے لیے۔وہ مجھ سے کہنے لگا، جانتے ہو شفیع حرامی ہے، اپنے بھائی کا بیٹا ہے۔یہ رسولا بڑا سور کا بچہ ہے۔تم اس سے کبھی بات نہ کرنا، میں بھی نہیں کروں گا۔" [۴]

یہ سوال کہ شفیع کیا تم اپنے بھائی غلام حسین کی اولاد ہو؟ اس کی زندگی کا سب سے بڑا روگ بن گیا تھا جو اس کے وجود کو اندر سے دیمک کی طرح چاٹ رہا تھا۔جب وہ ان طعنوں اور تنقید کے سامنے بے بس ہو جاتا ہے تو اس کے اندر اس ماحول سے فرار کی خواہش شدید تر ہو جاتی ہے۔وہ اس ماحول سے بھاگنا چاہتا ہے اور جوان ہوتے ہی ان ذلت بھرے لمحوں سے نجات کے لیے شفیع (ظفر) گھر چھوڑ کر شہر چلا جاتا ہے۔شہر میں وہ خوب محنت کر کے کپاس کا بڑا تاجر بن جاتا ہے۔یہ فراریت اس کے لیے نئی پہچان کا سبب بنتی ہے۔پیسہ، شہرت، بنگلہ، گاڑیاں نیز طاقت کا ہر مروجہ مورچہ حاصل کر لیتا ہے اور اپنا نام بھی تبدیل کر کے "شفیع" سے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

"ظفر" رکھ لیتا ہے لیکن اس کے باوجود اپنا بدنامی کا داغ ہٹانے میں ناکام رہتا ہے۔اس بار اسے معاشرے سے یہ طعنہ بھی سننے کو نہیں مل رہا تھا کہ "تم حرامی ہو" بلکہ اس کے لاشعور میں وہ بات تھی جو بچپن سے ہی اس کے ذہن میں ڈال دی گئی تھی اور اسے پریشان کر رہی تھی۔محمد سلیم الرحمن اس کیفیت پر تبصرہ کرتے لکھتے ہیں:

> "مرکزی کردار نے اس خاندان اور گائوں کو ہمیشہ کے لیے خیر باد کہہ دیا ہے جہاں اسے ہر وقت کچھ کچوکوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔مکمل قطع تعلق کے بعد اس نے اپنا نام بدل لیا اور ایک بڑے شہر میں جا کر کامیاب کاروباری بن گیا۔ایک بات کا اسے خیال نہ رہا، جیسے ہم سے بہت سوں کو خیال نہیں رہتا کہ آپ اُن تمام افراد سے پیچھا چھڑا سکتے ہیں جن کی صرف موجودگی ہی طعنہ ثابت ہوتی ہے، اُس جگہ کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ سکتے ہیں جس سے ناخوشگوار یادیں وابستہ ہوں، مگر اپنے آپ سے، اپنے اندر پلتے اور پھولتے عذاب سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔دنیا میں ہر آزمائش، ہر آرائش، ہر حیثیت کو تجنا ممکن ہے مگر اپنے آپ سے گلو خلاصی نا ممکن ہے" ۵

اُس کی ذہنی پریشانی کی وجہ اُس کے خواب تھے۔یہ خواب اس کے ماضی پر محیط ڈرائونے خواب تھے جو ناول میں گنجلک صورتحال پیدا کر دیتے ہیں۔یہ صورتحال دو شخصیتوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔وہ دو شخصیات بچپن کا شفیع اور کپاس کا کامیاب تاجر ظفر ہیں جو ایک ہی شخصیت کے دو مختلف روپ ہیں۔شفیع اپنے حرامی ہونے کی اذیت سے دوچار ہے۔وہ کامیابی کے سماجی مراتب حاصل کرنے کے بعد بھی اپنے ماضی سے پیچھا چھڑانے میں ناکام نظر آتا ہے اور یوں ہمیں اس کی ذات میں بدنظمی نظر آتی ہے۔اُس کا ماضی، حال اور پھر مستقبل ایک ہی وقت میں جمع ہو جاتے ہیں۔مستقبل اور ماضی کی اس لڑائی میں لمحۂ موجودہ (حال) میں بیٹھا ظفر گھن چگر بن جاتا ہے۔اس لڑائی میں ماضی جیتے یا ہارے، اُس نے ظفر کو تھکا ضرور دیا ہے۔وہ دو خوابوں کے بھیانک پن سے شکست خوردہ ہو جاتا ہے۔جب اُسے خواب آنا شروع ہوتے ہیں تو وہ کہتا ہے:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

"میں نے پہلے کبھی اتنا تنہا محسوس نہیں کیا تھا۔وقت کا پتھر پہلے کبھی اتنا بوجھل نہ تھا۔ دوسروں کی صحبت کی اتنی تلاش نہ ہوا کرتی تھی۔اب جب سے یہ عجیب عجیب خواب آنے کا سلسلہ شروع ہوا ہے، تنہائی پگھلے ہوئے سیسے کی مانند قطرہ قطرہ میرے دل کے کوزے میں گرتی رہتی ہے اور اسے بوجھل تر بناتی ہے۔" ۶

وہ خوابوں کے حوالے سے بہت پریشان رہنے لگتا ہے۔وہ خوابوں کی تعبیر سے بھی قاصر ہے۔اُس کے خواب اُس کے ماضی سے منسلک ہیں۔کیونکہ انسان خواب میں وہی کچھ دیکھتا ہے جو اُس پر بیتا ہوتا ہے۔انسان کے شعور، لاشعور اور تحت الشعور میں سب باتیں اور حالات اپنی اپنی جگہ جمع ہوتے جاتے ہیں اور جب دِلی اور ذہنی طور پر انسان اُلجھنے لگے تو یہ کیفیات اُس کے خوابوں میں سے ہو کر ذہن پر سوار ہو جاتی ہیں۔ظفر ایک دفعہ یوں کہتا ہے:

"میں خوابوں کے بھیانک پن سے نہیں ڈرتا کیونکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہر خواب چاہے کتنا ہی بھیانک کیوں نہ ہو، اس کا خوف دل سے محو ہوتے ہوتے تقریباً بالکل ختم ہو جاتا ہے۔جو چیز میرے لیے سب سے زیادہ پریشانی کا باعث بنی ہوئی ہے وہ ایسے خوابوں کا تواتر کے ساتھ ہر رات آتے رہنا ہے جو اس امر کی نشاندہی کرتا ہے کہ مجھے پتہ چلے بغیر میرے اندر ایک بہت بڑے پیمانے پر ٹوٹ پھوٹ کا سلسلہ جاری ہے" ۷

جس خواب کو پورے ناول کا مرکزی خیال کہا جا سکتا ہے وہ بیل والا خواب ہے۔ایک بیل پانی میں بہہ رہا ہے اور اس کی دُم ظفر نے پکڑی ہوئی ہے۔دُم کے سہارے کے باوجود وہ ڈُوب رہا ہے۔وہ ڈُوبنے سے بچنے کے لیے پل پر کھڑے لوگوں کو پکارتا ہے۔اُن لوگوں میں اُس کا دوست "محسن" بھی ہے مگر کوئی شخص اس کی مدد کو نہیں آتا۔خواب کا منظر دیکھیں:

"میں بیل کو ہانک کر کسی ایک کنارے کی طرف لے کر جانا چاہتا ہوں لیکن وہ اپنی بے پناہ طاقت کے باوجود کسی بھی طرف رخ بدلنے سے قاصر ہے اور پانی کے ریلے کے سامنے بالکل بے بس بہا چلا جا رہا ہے۔صرف اس کی تھوتھنی پانی سے باہر ہے اور غرق ہونے سے بچنے کے لیے اُس کی ٹانگیں نہایت سرعت سے حرکت کرنے پر مجبور ہیں۔اس کا سانس پھولا ہوا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

ہے اور ہر لحظہ اس کے نتھنوں میں تیزی سے آتی جاتی ہوا پھوں پھوں کی آواز پیدا کر رہی ہے۔مجھے اس حقیقت کا پوری طرح احساس ہے کہ میری زندگی بھی اس وقت تک ہے جب تک کہ بیل کا دم باقی ہے۔" ۸؎

یہ "بیل" دراصل ان حالات کی علامت ہے جن کی کوکھ سے اس نے جنم لیا ہے۔جو اس کے ساتھ جوڑ دیے گئے ہیں۔جن سے کنارہ کشی کا اختیار اس سے چھین لیا گیا ہے۔یہ ایک بیل کی مانند ہیں جس کی طاقت اسے بہائے لے جا رہی ہے۔بیل وقت کی اندھی طاقت میں غوطہ زن ہے جو کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔پل پر کھڑے لوگوں میں سے کسی میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ ان حالات کو روک سکیں۔اس خوف اور تنہائی کی اس اندھیر نگری سے نجات کے لیے ظفر کو دو ہی طریقے نظر آتے ہیں۔

پہلا طریقہ تو وہ تھا جس پر وہ عمل کر رہا تھا یعنی شراب پینا اور اتنی شراب پینا کہ اس کے حواس بحال نہ ہوں۔وہ ذہنی کیفیت سے چھٹکارے کے لیے شراب کا سہارا لیتا ہے۔وہ خود کہتا ہے:

"شیخ صاحب! بات یہ ہے کہ میرے اندر ایک چھوٹا سا ظفر ہے جو اصل ظفر ہے اور درحقیقت وہی زندہ ہے اور زندگی کرتا ہے۔میں کہاں زندہ ہوں، میں تو فقط اس کا مادی نمائندہ ہوں۔اس کی پیکنگ ہوں جس کے اندر وہ بند ہے۔میرا جسم تو اس کے لیے بالکل ایسے ہے جیسے آپ کے لیے لباس۔وہ آقا ہے میں غلام۔وہ پیر تسمہ ہے اور میں سند باد۔میرے پاس اس سے جان چھڑانے کی واحد ایک ترکیب ہے کہ پی پی کے اسے سلادوں اور آزادی کا سانس لوں۔" ۹؎

وہ شراب کو ذریعہ سکون سمجھتا ہے اور اپنی تنہائی ختم کرنے کا ذریعہ بھی سمجھتا ہے۔ایک گلاس کو چوم کر گٹا گٹ پینے سے پہلے اس کے بولے گئے جملوں سے اس کے لیے شراب کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے:

"واہ! میری محبوب کیا کہنے تیرے۔کبھی مجھ سے کچھ نہیں چاہا اور ہمیشہ میرے دل میں چبھے ہوئے کانٹوں کو ایک ایک کر کے چن لیا۔اتنا ڈھیر سارا سکون اور کون مجھے دے سکتا ہے۔میری پہلی اور آخری محبوب۔" ۱۰؎

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

ایک اور بیان دیکھیے جس سے اُس کی زندگی میں شراب کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔کہتا ہے:

"میرے اندر گہرائیاں ہیں۔خالی، قطعی خالی، سائیں سائیں کرتی ہوئی گہرائیاں، جن میں ہر رات شراب پی کر لڑھک جاتا ہوں اور پھر گرتا چلا جاتا ہوں۔حد لاانتہا تک میں ان خلائوں کو شراب سے پُر کرنا چاہتا ہوں۔یہ شراب سے پُر نہیں ہو سکتے، بہت گہرے ہیں۔شراب کی استطاعت سے بہت گہرے ہیں لیکن اگر شراب نہ پیوں تو پھر کیا کروں؟ سوئوں کیسے ؟" ۱۱

ظفر اتنی پیتا ہے جتنی پی سکتا تھا لیکن پھر بھی ہر رات سونے کے بعد اس کے خوابوں میں وہی ملامتی باتیں اور وہی الزامی واقعات ہوتے تھے۔دراصل وہ شراب سے غم دور نہیں کرنا چاہتا تھا اپنی شناخت ختم کرنا چاہتا تھا۔کلب میں اسے بیگم ریحانہ شیخ کہتی ہیں:

"'آخر آپ کو کیا دکھ ہے جو آپ اتنی شراب پیتے ہیں؟...'

'دیکھیں ساری دنیا شراب پیتی ہے ہم بھی پیتے ہیں۔'

لیکن آپ تو اس طرح پیتے ہیں جیسے آپ اپنے آپ سے کوئی بدلہ چکا رہے ہوں۔" ۱۲

ناول میں اس کے نفسیاتی ہیجان کا نقشہ کم اور شراب پینے اور اس کے حصول کی پیش کش زیادہ ہے۔ناول میں ذہنی کیفیت کو بیان کرنے کے لیے شراب کا ذکر ایک حد سے زیادہ لگتا ہے۔کلب کا ماحول بھی ناول کی فضا پر چھایا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

نجات کا دوسرا طریقہ جو ظفر تلاش کرتا ہے وہ یہ تھا کہ وہ "کسی عورت کی آغوش" میں پناہ لے لے۔ایک ایسی عورت جو اس کی شخصیت کی گرتی عمارت کو اپنی نازک ادائوں اور محبت بھری نگاہوں سے سہارا دے: "وقت گزارنے کا ایک اچھا طریقہ عورت بھی ہو سکتی ہے چاہے کرائے ہی کی کیوں نہ ہو۔" ۱۳ وہ اس راستے کو اپنی ذات کا حصہ بنانے کے لیے ایک سرکاری افسر کی بیوی "ریحانہ" کا سہارا لیتا ہے جو اُس کو کندھا دینے اُس کی خواب گاہ تک پہنچ جاتی ہے لیکن اپنے پرانے خوف اور ڈرائونے خوابوں سے طاری ہونے والی کیفیت ظفر کو اندر سے منجمند کر دیتی ہے جس سے اس کی جنسی کوشش کا اختتام بھی شرمندگی اور ذلت ہی کی صورت نکلتا ہے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

اس ساری کیفیت کا تعلق ظفر کی اس ذہنی حالت سے ہے جو "جنسی Disorder" کا نتیجہ ہے اور جس کا تصور اس کی ماں سے جڑا ہوا ہے۔وہ جب بھی اپنے حرامی ہونے کی اذیت کے شدید ہیجانی دباؤ کا شکار ہوتا ہے اپنے ماضی سے روگردانی کرنے لگتا ہے اور اس عمل سے بھاگنے لگتا ہے۔وہ جنس کی لذت سے محروم ہو جاتا ہے اور اس عمل سے دور بھاگنے میں ہی عافیت محسوس کرتا ہے۔ ناول میں شفیع سے ظفر تک کا سارا سفر ماں کی جنسی کج روی کا شکار ہونے کی یاد دہانی سے گزرنے کی اذیت ہے۔

کسی خوف ناک واقعہ کے بعد اُس کی یاد سے گزرنے کا کرب اور کسی مسلسل ٹراما کی فضا میں رہنے کی تکلیف میں بہت فرق ہوتا ہے۔واقعہ ذہن پر ابتدائی نقش ہے مگر جب واقعہ ٹراما بن جائے تو وہ لاشعوری سطح پر ذات کی کارگزاری کو متاثر کرنے لگتا ہے۔ واقعہ آہستہ آہستہ مدھم ہو کے ختم ہو جاتا ہے مگر ٹراما ختم نہیں ہوتا۔ظفر بھی اسی ذہنی ٹراما میں مبتلا ہے۔اپنے تمام تر مسائل سے آگاہ ہونے کے باوجود ظفر بے بس نظر آتا ہے۔اپنے خوابوں کے خلاف لاشعوری جنگ اسے "مینٹل ہسپتال" تک لے جاتی ہے۔اپنے ماضی سے چھٹکارا حاصل کرنے اور مستقبل میں غربت کے ہاتھوں دربدر ہونے کا خوف اس کے حال کو المناک بنا دیتے ہیں۔

ناول کے آخر میں ایک عورت کا نقش اس کے ذہن میں شدت اختیار کرتا دکھایا گیا ہے جو اس کی ماں کا نقش ہے اور جو اس کے ٹرامے کی وجہ بھی ہے۔وہ اس خوف میں ہے کہ کہیں وہ عورت اس کے ہاں نہ چلی آئے جس کے تصور سے نجات پانے کے لیے وہ بھاگ کر ایک نئی دنیا میں پناہ لینے پر مجبور ہوا تھا:

> "ایک بوڑھی سی دیہاتی عورت جس نے لمبا کرتا اور تہد پہنا ہوا ہے، سر پر گاڑھے کی چادر ہے اور پائوں میں دیسی جوتا ہے اور بغل میں گٹھڑی دبائی ہوئی ہے، بازار میں آپ کا پتا تو نہیں پوچھتی پھر رہی؟ اور کہا کہ لفٹ بوائے اور چپڑاسیوں کو ہدایت کر دوں کہ اگر اس حلیے کی کوئی عورت دفتر میں آ کر پوچھے تو صاف کہہ دیں کہ اس نام کا کوئی شخص یہاں نہیں ہوتا... فارغ ہو کر آیا تو دیکھا کہ آپ اسی طرح شیشے پر چہرہ رگڑ رہے ہیں۔مجھے دیکھتے ہی آپ نے پوچھا: 'وہ عورت میرا پتہ تو نہیں پوچھ رہی تھی؟' میں نے تسلی دینے کے لیے کہا کہ 'بازار میں ہر طرف تلاش کر چکا ہوں، اس حلیے کی کوئی عورت نہیں ملی۔' آپ یہ جواب سن کر پھر اسی طرح شیشے سے منہ رگڑنے لگے اور نہایت مایوسی کے عالم میں کہا: 'نہیں وہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

عورت یہیں ہے اور ابھی یہاں پہنچ جائے گی؟' میں نے کہا: 'آپ شیشے پر اور زیادہ چہرہ نہ رگڑیں،پہلے ہی سرخ ہو رہا ہے۔'

آپ نے جواب دیا: 'تم دیکھ نہیں رہے میرے چہرے پر اتنی کالک تھپی ہوئی ہے۔اسے اُتار رہا ہوں۔' "۱۴

یہاں یہ بہت واضع ہے کہ ظفر کا سارا ڈراما اپنی ماں کے شخصی کردار کی وجہ سے ہے۔چونکہ آدمی کا وجود ماں کے وجود کا حصہ ہوتا ہے اس لیے وہ ماں کو موردِ الزام ٹھہرا رہا ہے۔ایسا لگتا ہے کہ وہ "گنہگار وجود" کے کرب کا شکار ہے نہ کہ گناہ کا۔ورنہ وہ اپنے باپ (سوتیلے بھائی) کو بھی گناہ گار سمجھتا یا اس سے نفرت کا اظہار کرتا ہے۔

مرکزی کردار کے طور پر ظفر شکست خوردہ نظر آتا ہے۔بظاہر اس کا خوف تمام تر کوششوں پر حاوی نظر آتا ہے لیکن جو چیز اس کے کردار کو زندہ رکھتی ہے وہ ایک خاص قسم کی تہہ داری ہے۔مایوسی اور خوف اسے تمام تر مشکلوں اور رکاوٹوں کے ساتھ مکمل طور پر ہرانے میں کامیاب نہیں ہو پاتے۔یہی وجہ ہے کہ ناول کے آخر پر ہم ظفر کو ختم ہوتے ہوئے نہیں بلکہ رفتہ رفتہ زندگی کے منظر پر آتے ہوئے دیکھتے ہیں۔

المختصر یہ ناول ہمارے معاشرے کے اس اجتماعی رویے پر شدید تنقید ہے جو زخموں پر مرہم رکھنے کی بجائے کرید کر ان پر مرچیں رکھنے پر پیش پیش ہوتا ہے۔ناول میں مختلف واقعات تہہ در تہہ سامنے آئے ہیں۔آج کے زوال زدہ معاشرے میں یہ ناول ہر گز بھیانک معلوم نہیں ہوتا کیونکہ آئے روز اس قسم کے واقعات ہمارے کانوں سے ہو کر گزرتے ہیں چاہے وہ"سانحہ موٹر وے" ہو یا پھر آئے روز ننھی "زینبوں" کا قتل۔

حواشی

۱۔ محمد خالد اختر، "لفظ چند"، (دیباچہ) مشمولہ: گرگِ شب از اکرام اللہ، لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء، ص: ۵۔

۲۔ اکرام اللہ، گرگِ شب، لاہور: عکس پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء، ص: ۲۷

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

۳۔ ایضاً، ص: ۳۹، ۴۰۔

۴۔ ایضاً، ص: ۴۲۔

۵۔ محمد سلیم الرحمن، ”ناول کے بارے چند باتیں“، (مرتبہ) گرگِ شب از اکرام اللہ، ص: ۸۔

۶۔ اکرام اللہ، گرکِ شب، ص : ۴۴۔

۷۔ ایضاً، ص: ۴۷۔

۸۔ ایضاً ، ص: ۷۱۔

۹۔ ایضاً، ص: ۶۴۔

۱۰۔ ایضاً، ص: ۱۰۱۔

۱۱۔ ایضاً، ص: ۵۳۔

۱۲۔ ایضاً،ص: ۶۲۔

۱۳۔ ایضاً، ص: ۴۶، ۴۷۔

۱۴۔ ایضاً، ص: ۱۶۰، ۱۶۱۔

خلاصۂ مضمون

اکرام اللہ کا ناول ”گرگِ شب“ اُردو ادب کے اہم ناول کی حیثیت سے اُبھر کر سامنے آیا ہے۔”گرگ شب“ ایک ایسے پریشان حال اُلجھے ہوئے شخص کی کہانی ہے جو ایک Incest کے رشتے سے اس دنیا میں آیا ہے۔یہ ناول ہمارے معاشرے کے اُس اجتماعی رویے پر شدید تنقید ہے جو زخموں پر مرہم رکھنے کی بجائے اُن کو کرید کر ان پر مرچیں رکھنے میں پیش پیش ہوتا ہے۔آج کے

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol 5 No.4 2021

اس زوال زدہ معاشرے میں یہ ناول ہرگز بھی بھیانک محسوس نہیں ہوتا کیونکہ آئے روز اس قسم کے واقعات ہمارے کانوں سے گزرتے رہتے ہیں اور ہم اُنھیں دیکھتے رہ جاتے ہیں۔اس مضمون میں ”گرگِ شب“ کا سماجی و نفسیاتی تجزیہ پیش کیا گیا ہے۔